نقشِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علماء کرام کے باہمی مذاکرات اور مفاہمت کے سلسلہ میں ۲۸ اگست کو حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ اچانک کراچی تشریف لے گئے ۳ ستمبر کو واپسی ہوئی۔ واپسی پر آپ نے اس سلسلہ میں جو تاثرات تحریر فرمائے ہیں اسے بامید غور وخوض دونوں طرف کے اکابر اہل علم کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ ——— ادارہ ———

چند دنوں سے اخبارات اور رسائل میں علماء دیوبند کے درمیان اختلافات کا چرچا ہے۔ لادینی عناصر اس اختلاف کو اغراض مشئومہ کی خاطر اچھال رہے ہیں۔ علماء حق کے درمیان اختلاف کی خلیج وسیع ہونے کی صورت میں دین اور دینی مقاصد کو جس شدید نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے اس سے ہر حساس مسلمان کو پریشانی ہوگی۔ خود دونوں طرف کے اکابر علماء کو اس صورتحال کے پیدا ہو جانے سے شدید تشویش ہے ——— مگر صورتحال بگڑتی جارہی تھی، اس ناچیز کو بھی کافی دنوں سے ان حالات نے سخت اضطراب اور بے چینی میں ڈال دیا تھا۔ کہ باطل سے ہر محاذ پر ڈٹ کر لڑنے والے اور کلمۂ حق کہنے والے علماء دیوبند ہی تو ہیں، اگر ان کی تمام صلاحیت اور اجتماعی وتنظیمی قوتیں ایک دوسرے سے تصادم میں مشغول ہو جائیں تو باطل نظریات رکھنے والے اصحاب اور جماعتوں کو یکسوئی سے اپنی فاسد اغراض کو پورا کرنے کا موقعہ مل جائے گا۔ اور لادینی عناصر اپنے خبیث مقاصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ علماء حق کے اختلاف ہی میں انہیں اپنی کامیابی نظر آتی ہے چنانچہ درپردہ ان عناصر ہی کی ریشہ دوانیوں سے اختلاف کی یہ صورت شدت اختیار کرنے لگی ہے۔

حسنِ اتفاق سے علماء کی ایک نئی تنظیم کے سلسلہ میں ان دنوں کراچی میں مشرقی پاکستان کے چند سرکردہ علماء جمع ہوئے تھے جنہیں اس صورتحال کا احساس تھا۔ مولانا اطہر علی صاحب مشرقی پاکستان اور ان کے رفقاء کے بار بار اصرار اور تقاضا اور اکابر کے مشورہ پر یہ ناچیز بھی کراچی حاضر ہوا تاکہ دونوں طرف کے اکابر علماء کو باہم بیٹھ کر ایک دوسرے کا نقطۂ نظر سمجھنے اور پھر مفاہمت کی کوئی صورت نکالنے کا موقعہ مل جائے۔

کراچی کے ان مذاکرات میں ملک کے دونوں حصوں سے دونوں طرف کے اکابر علماء نے شرکت کی ناچیز کے علاوہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی، حضرت مولانا اطہر علی صاحب (کشور گنج) مولانا مفتی دین محمد صاحب ڈھاکہ۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب، حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی، حضرت مولانا محی الدین صاحب ایڈیٹر مدینہ ڈھاکہ وغیرہ نے شرکت کی۔ دونوں طرف سے ایک دوسرے کے خیالات سے یہ چیز واضح ہو کر سامنے آگئی کہ اصل مقصد سب کا اعلاء کلمۃ اللہ اور اسلام کا نفاذ ہے۔ مگر طریق کار اور سیاسی موقف میں کچھ اختلاف ہے، گویا درحقیقت اس نزاع کی حقیقت نزاع لفظی کے سوا کچھ نہیں بشرطیکہ فریقین ایک دوسرے کو مخلص سمجھ کر ٹھنڈے دل سے ایک دوسرے کے خدشات اور شبہات کو سمجھنے اور اس کے رفع کرنے کی کوشش کریں ۔۔۔

سوشلزم، اشتراکیت اور کمیونزم کے خلاف اسلام ہونے پر سب متفق ہیں کوئی ایک بزرگ بھی ایسا نہیں جو اسے تاویل وغیرہ کے ذریعہ یا کسی حکمت و مصلحت کی وجہ سے برداشت کرنے یا اس سے مصالحت کرنے کا روادار ہو، کوئی بھی اس ملک میں کسی بھی "ازم" کا تسلط نہیں چاہتا اور نہ یہ چاہتا ہے کہ اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے اس ملک میں نظریہ پاکستان، نظام شریعت اور اسلامی آئین کے مکمل تنفیذ کے علاوہ کوئی اور ازم نافذ ہو، خواہ اقتصادیات یا معاشیات ہی میں کیوں نہ ہو۔ کوئی بھی عالم کسی بھی ازم کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اسی طرح مزدور اور کسانوں کے حقوق، محتاجوں اور مساکین کو بنیادی ضروریات مہیا کرنے سے بھی کسی کو اختلاف نہیں۔ اسلام میں جسقدر حقوق مزدور کسان، اجیر و مستاجر کیلئے ہیں ان کی ادائیگی پر سب متفق ہیں، اور سب مانتے ہیں کہ اسلام نے جس جامع اور مکمل طریق سے ہر طبقہ کے مسائل کو حل فرمایا ہے اور مختلف پیرایوں میں ترغیب و ترہیب کے ذریعہ اسکی ادائیگی کی تلقین کی ہے، کوئی بھی ازم اس کا عشر عشیر بھی نہیں کر سکتا۔ ان ازموں میں فریب اور دھوکہ کے سوا کچھ بھی نہیں، تمام انسانی صلاحیتیں اور کسب و تصرف کے نتائج و ثمرات ایک بڑے سرمایہ دار میں، جو بشکل حکومت اور پارٹی انسانوں پر مسلط رہتا ہے میں مرتکز ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہ ازم ملک اور قوم غریب و امیر لیبر یا صنعتکار سب کے حقوق چھین کر انہیں ایک جابر و سنگدل ڈکٹیٹرانہ نظام کے شکنجہ میں دیدیتے ہیں۔ دوسری طرف اسلام ہے جس نے حلال اور جائز ذرائع و وسائل کے اندر رہ کر اپنی قوت اور صلاحیت کے ذریعہ حصول دولت کے راستے بھی کھلے رکھے۔ اور اجیر و مستاجر، مزدور اور کسان سب کے حقوق بھی متعین کر دئیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وصیت فرمائی: الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم - نماز قائم رکھو اور اپنے زیردست لوگوں سے حسن سلوک اور احسان کیا کرو۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

هؤلاء اخوانكم جعلهم الله	یہ مملوک تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں
تحت ايديكم فمن كان له	تمہارے قبضہ میں دیدیا ہے۔ پس جس کے تصرف
اخوه تحت يده فليطعمه	میں کوئی بھائی ہو تو اسے وہی کھلائے جو خود
مما يطعم وليلبسه مما يلبس	کھائے اور وہی پہنائے جو خود پہنتا ہو۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مزدور کو اسکی اُجرت اُسکا پسینہ خشک ہونے سے قبل ادا کر دیا کرو مزدور اور مملوک پر اس کی طاقت اور ہمت سے زیادہ بوجھ مت ڈالو اور اگر کام زیادہ سپرد کیا تو خود بھی اسکا ہاتھ بٹھاؤ۔ تاکہ سارا بوجھ اس پر نہ پڑے حضورؐ کا ارشاد ہے تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو رعایا اور زیر دستوں سے حسنِ سلوک کا برتاؤ کرتا ہے۔ اس قسم کی ہزاروں ہدایات کی موجودگی میں لیبر کے حقوق سے کون انکار کر سکتا ہے۔

بہر تقدیر علماء اس پر متفق ہیں کہ محتاجوں، لیبر اور کسانوں کا کوئی حق بھی غصب نہ ہونے پائے اور جو بھی اسلامی حقوق ہیں ان کو دلائے جائیں اور یورپ کا مروّجہ ظالمانہ مستبدانہ سرمایہ داری نظام معاشرہ سے ختم کر دیا جائے۔ البتہ طریقِ کار کا فرق ہے، ایک فریق کی رائے ہے کہ موجودہ لیبر اور کسان تنظیموں کیساتھ تعاون کیا جائے، اور انہیں اپنے اثر میں لے لیا جائے، ورنہ خطرہ ہے کہ یہ لوگ لادینیت کے علمبردار عناصر اور نااہل لوگوں کے پُرفریب نعروں میں آکر اشتراکیت اور سوشلزم کے قعرِ مذلت میں جا گریں گے جہاں سے ان کا نکلنا مشکل ہوگا۔ اور یہ صورت ملک اور مذہب کی تباہی اور بربادی کا ذریعہ بن جائے گی۔ اور اس کا ظہور لوٹ گھسوٹ، قتل و غارت کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ ولا فعل الله كذلك۔

دوسرا فریق کہتا ہے کہ کسی لیبر تنظیم سے تعاون کی بجائے اسلام کا معاشی نظام سامنے رکھا جائے اور ان کو اپنی اسلامی تنظیموں میں شرکت کی دعوت دی جائے۔ یعنی بجائے لیبر اصول اور تنظیموں کے خالص اسلامی تنظیم کے ماتحت شریعت کے دیئے ہوئے حقوق کے حصول اور تحفظ میں لگ جائیں۔ شریعت کے مکمل نفاذ کے لئے جدوجہد کی جائے تاکہ یہ ملک امن وامان اور اسلامی عدل و انصاف سے مستفید ہو اور خلافتِ راشدہ کے نقشِ قدم پر چلنے کی فضا پیدا ہو سکے، الغرض لیبر اور مزدور کے حقوق کا کسی کو انکار نہیں۔ مگر اسی کے حصول کے طریقِ کار میں اختلاف ہے جو ایک فکری اختلاف ہے جس میں اجتہادی طور پر یا سیاسی بصیرت، اور تجربہ

کے لحاظ سے کسی ایک فریق کو ٹوکر تو سکتی ہے مگر نفس مسئلہ میں کوئی جھگڑا نہیں۔

اب رہا سرمایہ داری کا مسئلہ تو اس بارہ میں مکمل اتفاق ہے کہ جو سرمایہ ظلم و تعدی، سود، سمگلنگ، بلیک، ملاوٹ، احتکار و اکتناز اور جبر و قہر یا دوسرے ان ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو جو یورپ میں رائج ہیں، سب حرام ناجائز اور قابل گرفت ہے، مگر ایک مطلب سرمایہ داری کی مخالفت کرنے کا یہ ہے کہ کوئی بھی شخص کسی حلال اور جائز ذرائع سے پیدا کردہ دولت کا بھی مالک نہ ہو بلکہ حکومت یا کوئی تنظیم ہر چیز کی مالک ہو تو کوئی بھی عالم دین اسے صحیح نہیں کہہ سکے گا۔ اگر شخصی ملکیت کی نفی ہو جائے تو پھر اسلام کے وہ تمام قوانین اور احکام شرعیہ معطل ہو کر رہ جائیں گے، جو زکوٰۃ صدقات، حج، صدقہ، فطر، وصیت، ہبہ اور میراث وغیرہ سے متعلق ہیں ـــ جب کوئی شخص مال کا مالک نہیں تو وہ کب اس قسم کے تصرفات کر سکتا ہے۔؟ الغرض ملکیت ختم کرنے کی یہ صورت تو کسی بھی لحاظ سے اسلام کی رُو سے قابل برداشت نہیں، البتہ سرمایہ داری کی اُن مذموم شکلوں کا شریعت سختی سے محاسبہ کرتی ہے۔ جس کی وجہ سے معاشرہ کے حقوق تلف ہوتے ہوں، اور خدا اور اس کے بندوں کے حقوق سے اس مال اور دولت میں غفلت برتی جاتی ہو۔ اسلام کے نزدیک سرمایہ داری کی دو قسم ہیں۔ ایک مذموم اور ایک جائز جیسا کہ حدیث مبارک میں آتا ہے کہ جس مال سے زکوٰۃ نہ دی جائے چاہے وہ دو سو درہم کیوں نہ ہو وہ کنز ہے جس کی اللہ نے مذمت کی ہے۔ اور آیت: والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ۔ کی ضمن میں دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے۔ اور جس مال کی زکوٰۃ دی جائے اور اس کے علاوہ اس کے تمام حقوق منتشرہ ادا کئے جائیں، مثال کے طور پہ اس میں رشتہ دار و اقارب غریب اور محتاج، پڑوسی اور مسافر مریض اور بے روزگار کی ضروریات کا لحاظ کیا جائے ایسا سرمایہ محمود اور ذریعہ سرخروئی دارین و رضائے خداوندی ہے۔ حلال ذرائع سے پیدا کردہ ایسا مال کتنا ہی کیوں نہ ہو وہ کنز نہیں اور نہ ایسا سرمایہ قابلِ مذمت ہے۔ باقی رہا ایسی حلال اور جائز سرمایہ داری کے لئے فضا مہیا کرنا اور ناجائز استحصال اور حرام ذرائع سے کسب زر سے روکنا، تو اس کا مکمل علاج تو اسلامی نظام کے نفاذ میں ہے۔ اسلامی حکومت ہر ناجائز ذریعہ غصب، ظلم اور چوری ڈکیتی سے حاصل شدہ مال چھین کر اصل حقداروں کو دے سکتی ہے۔ البتہ جائز اور حلال ذرائع سے حاصل شدہ مال کا مالک اس کا مالک ہی رہے گا۔ الغرض سرمایہ داری کی جائز شکل سے کسی عالم کو انکار نہیں، اور ہر عالم کو یورپ کے مروجہ اس سرمایہ دارانہ نظام سے نفرت ہے جس کے مہلک اثرات سے پوری دنیا کراہ رہی ہے۔ جب اس مسئلہ میں بھی اختلاف نہیں، مقصد سب کا احیاء دین اور اجراء شریعت

ہے۔ صرف طریق کار کا فرق ہے، تو ہو سکتا ہے کہ ارشاد نبوی اختلاف امتی رحمۃ۔ کی رو سے اخلاص پر مبنی اختلاف امت کیلئے موجب خیر بن جائے۔ اس صورت میں اس اختلاف اور نزاع کو اتنا اچھالنا قطعاً نامناسب ہے۔ ایک دوسرے کی پگڑیاں اچھالنے سے مجموعی حیثیت سے تمام علماء کے وقار عظمت اور اس سے بڑھ کر خود اسلام کو شدید نقصان پہنچے گا، جن باطل فرقوں اور لادینی عناصر سے ہمیں خطرہ ہے وہ اس اختلاف سے فائدہ اٹھا کر بیچ میں سے بچ کر نکل جائیں گے۔ ایسے نازک ترین دور میں جب ملک وملت کو اندرونی اور بیرونی غیر دینی تحریکات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، ہمارا باہمی اختلاف اور ایک دوسرے پر الزام اور جواب الزام میں وقت ضائع کرنا مجموعی حیثیت سے دین کیلئے سخت مضر ثابت ہوگا، جسکے نتیجہ میں خداوندکریم کے ہاں شدید محاسبہ کا سامنا کرنا پڑیگا۔ ضرورت ہے کہ ہم اپنے قلوب کو ایک دوسرے کے بارہ میں صاف کر کے پورے اخلاص للہیت اور حزم واحتیاط سے کام لیتے ہوئے دین کیلئے کام کرتے رہیں۔ خواہ طریق کار میں اختلاف ہی کیوں نہ ہو، اول تا آخر اسلام ہی کو تمام جدوجہد اور قربانیوں کا مقصود بنائے رکھیں۔ مجھے انتہائی خوشی ہے کہ اکابر علماء نے کراچی کے مذاکرات میں اس بات پر اتفاق کر لیا ہے کہ "فریقین میں سے ہر ایک اپنے اپنے کام کو جاری رکھتے ہوئے کسی دوسرے پر تقریروں میں یا اخباری بیانات میں حملہ نہیں کرے گا، اور ہر فریق دوسرے کا احترام باقی رکھے گا۔" اس مقصد کیلئے ایک رابطہ کمیٹی بھی قائم کی گئی ہے جو مفاہمت اور مصالحت کے مذاکرات جاری رکھے گی۔ حق تعالیٰ اس کمیٹی کی رہنمائی فرمائے اور کلی اتحاد اور مفاہمت کی کوئی صورت اپنی خاص دستگیری سے ظاہر فرما دے، اور ہم سب کو کلمہ اسلام پر شیر وشکر ہو کر جمع ہونے اور کام کرنے کی توفیق دے، کیونکہ سرچشمۂ فیض اور منبع علم سب کا ایک ہے، مسلک ومشرب میں اتحاد ہے، مقصد سب کا ایک ہے، اتحاد کی ضرورت کا سب کو احساس ہے، پھر کوئی وجہ نہیں کہ فریقین ایثار و اخلاص سے کام لیکر ایک نقطہ پر جمع نہ ہو سکیں۔ دونوں طرف سے البتہ تمام حضرات اور جماعتوں کے کارکنوں سے بھی مودبانہ التماس ہے کہ اپنے اکابر کے اس معاہدہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی قسم کی ایسی بیان بازی سے قطعی احتراز برتیں جس سے فریقین کی عظمت اور احترام کو نقصان پہنچتا ہو اور عوام میں شعائر اسلام اور اہل علم کی تضحیک اور استخفاف کی صورت پیدا ہو سکتی ہو۔ اسیطرح اپنی نالائقی اور بے مائگی کے پورے احساس کیساتھ دونوں طرف کے اکابر سے بھی عاجزانہ درخواست ہے کہ وہ ایسی تمام صورتوں سے دین کے مفاد کی خاطر قطعی طور پر الگ ہو جانے کی کوشش کریں، جو فریقین کیلئے ایک دوسرے سے اتحاد اور مصالحت کی راہ میں رکاوٹ اور بدظنی اور خدشات کا موجب بن سکتی ہیں۔ میری یہ گذارشات محض دینی درد اور اکابر اہل علم کے مشفقانہ برتاؤ اور ناچیز سے حسن ظن رکھنے پر مبنی ہیں کسی بھی ذاتی رجحانات کا اس میں قطعی دخل نہیں، امید ہے اسے جذبۂ خیرخواہی پر محمول کیا جائے گا۔

بندہ عبدالحق عفی عنہ مہتمم دارالعلوم حقانیہ ۔ ۱۲ ستمبر ۱۹۶۹ء